© rasailojaraid.com

کا لحاظ رکھتے تھے۔ حضرت کی محفل میں کبھی انھوں نے ایک زانو دوسرے زانو پر نہیں رکھا۔ تمام عمر میں اپنی عادت کے خلاف صرف ایک مرتبہ سلطان احمد بادشاہ حضرت کی محفل میں پیر جوڑ کر مؤدب بیٹھا اس کے واپس جانے کے بعد حضرت کے اشارہ سے اس کی نشست کی جگہ دیکھی گئی تو وہاں ایک بڑی نوک دار ہڈی ملی جس کی وجہ سے مجبوراً سلطان کو خلافِ معمول کرنا پڑا۔ وہ دو زانو نہ بیٹھ سکا۔ بادشاہ سلطان احمد کے باپ سلطان ابو سعید مرزا کو بھی حضرت خواجہ سے نہایت عقیدت تھی۔ صاحبِ "تاریخ حبیب السیر" لکھتے ہیں کہ:

"سلطان ابو سعید کہ در تمشیت امور ملک و ملت پیوستہ با حضرت خواجہ مشورت می کرد وازغایتِ نیازمندی گاہے پیادہ بابر اسپش رفتہ لوازم کمالِ ارادت بجا می آورد۔"

سلطان ابو سعید ملکی اور مذہبی معاملات میں حضرت خواجہ عبید اللہ احرار سے مشورہ کرتا تھا اور نہایت نیازمندی سے آپ کی سواری کے ساتھ پیدل چل کر اپنی کمالِ عقیدت مندی کا ثبوت پیش کرتا تھا۔

اگرچہ شہنشاہ بابر کے بچپن ہی میں حضرت خواجہ صاحبؒ کی وفات ہو چکی تھی لیکن پھر بھی اپنے بزرگوں کے ادب و احترام اور عقیدت کے قدم بہ قدم اس کو بھی آپ سے نہایت درجہ عقیدت تھی۔ شاہانِ مغلیہ سب ہی آپ کے اور آپ کے جانشینوں کے معتقد رہے۔ چنانچہ بابر نامہ میں ۸ر نومبر ۱۵۲۸ء روز جمعہ کے واقعات میں بابر لکھتا ہے کہ "ایک بار میرے جسم میں اس قدر حدت بڑھ گئی تھی کہ میں جمعہ کی نماز بڑی مشکل سے پڑھ سکا تھا۔ ۲۷ر صفر بروز منگل کو میں نے یہ منت مانی کہ حضرت خواجہ عبید اللہ احرارؒ کے رسالہ والدیہ کو نظم کروں اور میں نے دل میں یہ خیال کیا کہ اگر حضرت کی توجہ روحانیت سے مجھ کو صحت ہو گئی تو میں یہ سمجھوں گا کہ یہ میری یہ نظم بارگاہ عبید اللہی میں اسی طرح مقبول ہوئی ہے جیسی صاحبِ قصیدۂ بردہ کی۔ کہ قصیدۂ بردہ کی مقبولیت کے انعام میں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ان کو لقوہ و فالج سے صحت ہوگئی تھی۔ چنانچہ میں نے مولانا جامی کی تسبحۃ الاحرار کے وزن پر نظم کرنا شروع کر دیا۔ گذشتہ سال ایک مہینہ یا چالیس روز گرفتار رہا تھا مگر اس سال خدا کی عنایت اور حضرت کی توجہ سے مجھ کو ۲۹ صفر روز چہارشنبہ کو چھٹکارا مل گیا۔ صرف معمولی سا کسل باقی رہا۔

(باقی آئندہ)

دعائے صحت

آج کل حضرت قبلہ مفتی عتیق الرحمن عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کی اہلیہ بہت کافی علیل ہیں۔ ان کی علالت تو حضرت مفتی صاحب قبلہؒ کی زندگی کے دوران شروع ہو چکی تھی لیکن حضرت مفتی صاحب کی وفات کے بعد معذوری، اضطراب اور دماغی حالت زیادہ پریشان کن ہوتی جاتی ہے۔

قارئین اور اپنے بزرگوں سے اپنی والدہ محترمہ کے صحت یابی اور سکون کے لیے دعا کی درخواست کرتا ہوں۔

خادم

صاحبزادہ حضرت مفتی عتیق الرحمن عثمانیؒ

عمید الرحمن عثمانی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسلکِ سلیمانی

جناب ڈاکٹر غلام محمد صاحب کراچی

ایک ایسے دور میں جو اہلِ کمال علماء و فضلاء کا دور تھا، حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے گوناگوں کمالات کی وجہ سے ایک انفرادیت حاصل تھی۔ ان کی ذات میں حضرت شاہ ولی اللہؒ کا عمق اور عبقریت، علامہ ابن قیمؒ کی وسعت اور محتاط فکری حریت اور امام غزالیؒ کی حکمت و للّٰہیت کا حسین امتزاج نظر آتا ہے، اسی لیے ان کو سمجھنے اور ان کے مسلک کا واضح تصور حاصل کرنے کی ضرورت ہے اور اس کوشش میں ضروری ہے کہ نہ تو اپنے ذوق اور رنگِ نظر کو آنے دیا جائے اور نہ تنقید یا توثیق غیر کے خیال کو کوئی اہمیت دی جائے بلکہ ان کو ویسا ہی دیکھا جائے جس انداز سے وہ بزم آراء رہے۔

حضرت علامہ کی شخصیت چونکہ پہلو دار ہے اس لیے ہم اختصار کے ساتھ مگر الگ الگ دیکھیں گے کہ تفسیر، حدیث، فقہ، تصور اور اجتماعیات میں اُن کا مسلک کیا تھا؟

تفسیری مسلک

حضرت علامہ کے نزدیک قرآن پاک کا سب سے یقینی اور صحیح مطلب و مفہوم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول وعمل سے متعین ہوتا ہے، اس لیے قرآن فہمی کے لیے بنیادی توجہ حدیث وسنت پر رہنی ضروری ہے، فرماتے ہیں:

"قرآن خدا کا کلام ہے جو ۲۳ برس کی مدت میں تھوڑا تھوڑا کر کے ملکِ عرب میں فصیح وتبلیغ عربی زبان میں خدا کے ایک برگزیدہ بندہ پر اترا، اس میں نظریئے بھی تھے اور عملی تعلیم بھی، اُس نے ان نظریوں کو خدا کے بندوں کو سمجھایا اور ان کی عملی تعلیمات کو عملاً کر کے اور برت کے اپنے آس پاس والوں کو دکھایا اور بتایا اور اس لیے کہ وہ اسی کلام کا پہلا مخاطب تھا اور اسی کے ذریعہ اس کلام کا مطلب دوسروں کو سمجھانا تھا، اس لیے یہ ماننا پڑے گا کہ وہی اسلام کے مطلب کو سب سے معتبر سمجھ سکتا تھا اور اسی لئے اس کلام کا جو مطلب سمجھا اور اپنی تعلیم وعمل سے اس نے دوسروں کو جو سمجھایا وہی اس کا صحیح اور بے خطا مطلب اور مفہوم ہے، اس لیے قرآن پاک کے سمجھنے کے لیے حاملِ قرآن محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی قولی اور عملی تفسیر سے بہتر قرآن کی تفسیر کا کوئی ذریعہ نہیں ہو سکتا۔

(معارف ۱۹۳۸ء)

اس کے بعد دوسری چیز زبانِ عربی، اس کے قواعد اور محاورۂ عرب سے پوری پوری آگاہی ہے، جس کے بغیر قرآن پاک کی صحیح تفسیر ممکن نہیں۔ حضرت علامہ فرماتے ہیں:

"کسی کتاب کا صحیح مطلب سمجھنے کے لیے سب سے اہم چیز اس کتاب کی زبان اور اس زبان کے قواعد کی پیروی ہے۔ یہ کسی طرح

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

درست نہ ہوگا کہ ہم عقلیت کے جوش میں اس کتاب کے کسی فقرہ کی تشریح میں اس زبان کی لغت اور قواعد میں ایسا تصرف کریں جو ہر حیثیت سے ناجائز ہو اور ہمارے اس تصرف کا منشار صرف اتنا ہو کہ ہم اپنے استبعادِ عقلی کی تسکین کر سکیں۔"

(ایضاً)

اس کے بعد جو بات فرمائی ہے وہ بہت غور سے سننے کی ہے۔ تحریر فرماتے ہیں:

"حالانکہ استبعادِ عقلی کوئی یکساں چیز نہیں اور نہ وہ خلافِ عقل کے معنوں میں ہے۔ عقل کی وسعت اور استبعاداتِ عقلی کی فہرست ہر زمانہ میں گھٹتی اور بڑھتی رہی ہے، اس لیے قرآن پاک کی تفسیر کا یہ معیار نہیں بنایا جا سکتا۔"

(ایضاً)

اب رہی یہ بات کہ ہر زمانے میں عقلی مسلمات بدلتے رہتے ہیں اور ان کی وجہ سے فکری فضاء بدلتی رہتی ہے اور ہر دور کے لوگ اپنے زمانہ کے موثرات کے تحت ہی کسی بھی کلام کو سمجھنا چاہتے ہیں، اس لئے قرآن فہمی بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ٹھہر سکتی تو اس کا جواب حضرت علامہ یہ دیتے ہیں:

"فانی انسانوں کے فانی کلام اور جزئی علم رکھنے والوں کے جزئی علم، اگر ایک زمانہ میں صحیح اور دوسرے زمانہ میں غلط ہو جائیں تو ایسا ہونا بہت حد تک قرینِ قیاس ہے، مگر خدائے پاک کے کلام میں جس کا علم ازل سے ابد تک محیط ہے، اس قسم کا تصور بھی ذہن میں نہیں لایا جا سکتا، اس لیے اگر مخلص اہل علم اور نیک نیت علماء اس کلام کی مزید تشریح اپنے زمانہ کے موثرات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے مطابق اس طرح کر سکیں کہ وہ متکلم کے اصول متواترہ،
مخاطب اول صلی اللہ علیہ وسلم کی تفہیم اور زبان کی لغت و قواعد
کے خلاف نہ ہوں تو ان کی یہ سعی مشکور ہوگی۔ اسی بنا پر
جب سے مسلمانوں میں عقلیات کا رواج ہوا اس نظر سے
قرآن پاک کی تفسیریں لکھی گئیں۔ معتزلہ میں ابومسلم اصفہانی
کی تفسیر اور قاضی عبدالجبار معتزلی کی تنزیہ القرآن اور
اہل سنت میں امام ابومنصور ماتریدی کی تاویلات اور امام ابن فورک
کی "مشکلات القرآن"، امام محمد غزالی کی "جواہر القرآن" اور سب سے
آخر میں امام فخر رازی کی "تفسیر کبیر" اپنے اپنے زمانہ کے موثرات
کی بہترین ترجمان ہیں۔"

(ایضاً)

"اپنے اپنے زمانہ کے موثرات کی بہترین ترجمان" کا جملہ خوب ذہن نشین رہے کیونکہ اسی بنیاد پر علامہ مرحوم آخر حیات تک یہی فرماتے تھے کہ قرآن کی "بہترین" تفسیر کسی بھی تفسیر کو قرار نہیں دیا جا سکتا، یہی جواب انھوں نے عین مرض وفات میں، اس وقت کے سفیر شام متعینہ پاکستان کو بھی دیا تھا جب سفیر صاحب نے ان سے یہ پوچھا تھا کہ قرآن پاک کی سب سے اچھی تفسیر کونسی ہے؟

حضرت علامہ کے تفسیری مسلک کے سلسلہ میں ایک اور اہم بات یاد رکھنے کی یہ ہے کہ وہ الفاظِ قرآنی کے مرادِ ظاہری سے عدول کو روا نہیں رکھتے تھے میرے استاذ حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی رح کو قرآنی آیات سے اعتبارات، صوفیانہ نکات اور آیات کے نتائج قیاسی نکالنے کا خاص ذوق تھا اور اس کے اثر سے اس عاجز کی طبیعت بھی اس نہج کے نکتوں اور چٹکلوں کو پڑھ کر جھوم جاتی ہے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مگر جب ایسی کوئی بات میں نے حضرت علامہ سے نقل کی تو سختی سے متنبہ فرمایا کہ الفاظِ قرآنی کے "ظاہر مراد" سے عدول نہ ہونا چاہیئے، نیز خود قرآنی مراد کو معلوم کرنے کے لیے ایک ہی لفظ کے جتنے استعمالات قرآن پاک میں آئے ہیں، اُن سب کا احاطہ کر کے اس کی مراد کو متعین کرنا چاہیئے مثلاً قرآن پاک محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو "خاتم النبیین" کہتا ہے، تو اب دیکھنا چاہیئے کہ لفظ "خاتم" قرآن پاک میں کس کس معنی میں بولا گیا ہے تاکہ ختمِ نبوت کا قرآنی مفہوم متعین ہو سکے۔ چنانچہ دیکھا جائے تو یہ لفظ یا تو اس معنی میں بولا گیا ہے کہ کسی چیز کو اس طرح بند کر دینا کہ باہر کی چیز اندر نہ جا سکے جیسے خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ (یعنی رسول کی بات دل میں نہیں جا سکتی) یا پھر اس معنی میں بولا گیا ہے کہ کسی چیز کو اس طرح بند کر دینا کہ اندر کی چیز باہر نہ نکل سکے جیسے اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰی اَفْوَاهِهِمْ (یعنی حشر کے دن کافروں کے دل کی کوئی بات منہ سے باہر نہ نکل سکے گی)۔ یا پھر یہ لفظ ان دونوں معنوں کی یکجائی کے ساتھ بولا گیا ہے جیسے وَخِتَامُهٗ مِسْكٌ (یعنی جنتیوں کو جو شراب کی بوتل ملے گی اس پر مشک کا ختام ہوگا جو اس بات کی ضمانت ہوگی کہ اس بوتل کو اس طرح بند کر دیا گیا ہے کہ اب اس میں سے نہ تو اندر کی چیز باہر آ سکتی ہے نہ باہر سے کوئی چیز اس کے اندر داخل ہو سکتی ہے)۔ بس ان تین استعمالات کے سوا لفظ "خاتم" کا کوئی اور استعمال قرآن پاک میں نہیں ملتا، اس لیئے "خاتم النبیین" کا قرآنی مفہوم صاف یہ نکل آیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس معنیٰ میں نبیوں کے "خاتم" بنائے گئے ہیں کہ آپ سے پہلے جو زمرۂ نبوت میں داخل ہو چکے ان میں سے کوئی بھی اب زمرۂ نبوت سے خارج نہیں ہو سکتا اور آپ کے بعد باہر سے اب کوئی اس زمرۂ مقدسہ میں داخل نہیں ہو سکتا۔

سبحان اللہ یہ ہے فہمِ قرآن اور ففھمنا سلیمان کا تازہ اعجاز۔ اور یہ تو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک مثال ہے، سیرت النبی کی ضخیم مجلدات کا غور سے مطالعہ کیا جائے تو علامہ فراہی کا یہ مسلک و ذوقِ تفسیری جگہ جگہ نمایاں نظر آئے گا۔ ع

تو مدیث مفصل بخواں ازیں مجمل

اب ایک آخری بات تفسیری مسلک کے سلسلہ میں یہ عرض کرنی ہے کہ "متشابہاتِ قرآنی" کے بارے میں حضرت علامہ کا مسلک قدمائے اہل سنت والجماعۃ والا مسلک تھا کہ خدا کی ذات و صفات اور دیگر عقائد کے متعلق قرآن پاک نے جو کچھ بیان کیا ہے یا پیغمبر خاتم صلی اللہ علیہ وسلم سے بہ تواتر جو کچھ ثابت ہے اس پر ایمان رکھتے ہوئے اپنی عقل و قیاس اور استنباط سے اس کی تشریح کرنا صحیح نہیں، گویا حضرت علامہ کے نزدیک وَمَا يَعْلَمُ تَاوِيلَهُ إِلَّا اللهُ (اس کا منشاء و مفہوم خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا) ایک حقیقتِ اعتقادیہ ہے جس سے یہ مسلک بنا کہ وَالرَّاسِخُونَ فِي الْعِلْمِ يَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ كُلٌّ مِنْ عِنْدِ رَبِّنَا یعنی جو پختہ علم ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ بس ہم اس پہ ایمان لائے کہ یہ سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ـــ بالفاظِ دیگر متشابہات کے معاملہ میں حضرت علامہ تشبیہ کے قائل تھے مگر تنزیہہ کے ساتھ ـــ وہ يَدٌ ـــ قَدَمٌ ـــ اِسْتَوٰى وغیرہ کی کوئی تاویل نہیں فرماتے تھے مگر ان میں کی ہر حقیقت کو لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ کے وصف سے متصف جان کر ہر تشبیہ کو تصورِ انسانی سے پاک اور رسائیِ فہم سے وری الوریٰ سمجھتے تھے۔

حدیثی مسلک

قرآن پاک کے بعد دین کی دوسری اہم اصل حدیثِ نبوی ہے۔ قرآن و حدیث کے باہمی ربط اور نزاکتِ ارتباط کو حضرت علامہ نے ایک وجد آفریں جملہ میں یوں ادا فرمایا ہے:

علمِ قرآن اگر اسلامی علوم میں دل کی حیثیت رکھتا ہے تو علمِ حدیث

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

شہ رگ کی، یہ شہ رگ اسلامی علوم کے اعضاء و جوارح تک
خون پہنچا کر ہر آن اُن کے لیے تازہ زندگی کا سامان پہنچاتا
رہتا ہے۔"

(تعارف ــــ تدوین حدیث از مولانا گیلانیؒ)

حدیث پڑھنے پڑھانے والے علماء بحمد اللہ ہر دور میں بہت رہے ہیں اور رہیں گے مگر جو خود محدثانہ مزاج اور رنگ سنت کا مرقع ہوں ایسے محدث خال خال ہی ملیں گے۔ حضرت علامہ اسی منتخب فہرست کے فرد فرید تھے، ان کی تاریخ دانی کا شہرہ خود ہی ان کے مفسرانہ اور محدثانہ کمالات کا حجاب بنا ہوا تھا، اس پر اداراتی تعصب نے ان کے معاصرین کے ہاتھوں اس کو ایک دیوار بنا کر کھڑا کر دیا، ورنہ سیرۃ النبی خصوصاً اس کی جلد سوم، سیرتِ عائشہؓ اور خطبات مدراس کا ایک غیر جانبدار پڑھنے والا اور فن حدیث کا واقف کار علامہ کے جلیل القدر محدث اور ماہرِ فنِ رجال ہونے کا انکار کیسے کر سکتا ہے! حضرت علامہ محدث تھے اور ان کا حدیثی مسلک احتیاط اور حزمِ محدثانہ پر مبنی تھا، ـــــ وہ اس وقت بھی اس معاملہ میں سخت تھے جب باضابطہ حلقۂ طریقت میں داخل نہیں ہوئے تھے اور اُس وقت بھی ویسے ہی مستحکم رہے جب وہ شیخ طریقت مانے گئے ـــــ اکثر صوفیاء کرام اپنے ذوق یا وجدان کے سہارے بعض مقولوں کو حدیث کے عنوان سے بیان کرتے ہیں، اِدھر حضرات علماء اپنے موضوعہ اصول کی بنا پر "فضائل" میں توسیع اختیار کر کے ضعیف ترین احادیث کو اپنی تصانیف میں فراخی کے ساتھ شامل رکھنے میں مضائقہ نہیں سمجھتے، مگر حضرت علامہ کا مسلک کسی پہلو سے بھی ان گنجائشات کا متحمل نہیں تھا۔ وہ فرماتے تھے اور اس وقت ان پر خوف چھا جاتا تھا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد سن کر کہ من کذب علیّ متعمداً فلیتبوأ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مقعدہ من النار (بخاری) (یعنی جو مجھ پر قصداً جھوٹ باندھے گا اسے چاہیے کہ اپنا ٹھکانا آگ میں تیار کرلے) میرا دل لرز جاتا ہے کہ مبادا کوئی قول ایسا حضورؐ کی طرف منسوب ہوجائے جو آپ نے نہ فرمایا ہو اور اس کی وجہ سے اس وعید کا مورد بننا پڑے ـــــ راقم الحروف نے حضرت علامہ کا منشا یہ سمجھا کہ حزم و احتیاط کے سبب کوئی ارشادِ نبوی نقل سے رہ جائے تو اس پر کوئی عتاب وعقاب کا اندیشہ نہیں مگر غلط انتساب سے تو جہنم مول لینا ہوگا۔ العیاذ باللہ۔ اسی لیے دیکھا اور بارہا دیکھا کہ قبولِ حدیث میں علامہ نے کبھی عرفی دباؤ بھی قبول نہیں فرمایا۔ میرے سامنے کی بات ہے کہ ایک مولوی صاحب نے حضرت علامہ سے سوال کیا کہ کیا اقطاب و ابدال کا موجود ہونا قرآن و حدیث سے ثابت ہے؟ علامہ نے فرمایا کہ نہیں البتہ بہ کثرت بزرگوں کی کشفی تصدیقات ملتی ہیں، اور وہ کافی ہیں۔ اس پر انھوں نے تعجب سے مکرر عرض کیا کہ احادیث میں بھی اس کا ذکر نہیں؟ حضرت علامہ نے اپنی طبعی نرم مزاجی سے دوبلدہ فرمایا "جی نہیں، کوئی صحیح اور قوی حدیث ایسی نہیں ملتی ـــــ" اس پر ان مولوی صاحب نے دباؤ ڈالنے کے لیے یہ کہہ دیا کہ حضرت مولانا تھانویؒ (جو حضرت علامہ کے پیر طریقت تھے) نے تو تعلیم الدین میں تائیدی حدیثیں تحریر فرمائی ہیں، حضرت علامہ کو ان کا یہ غیر عالمانہ طرز ناگوار ہوا اور قدرے چیں بہ جبیں ہوکر فرمایا حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے میں نے تو نہیں لکھا، آپ مجھ پر دباؤ ڈالنا چاہتے ہیں!" ـــ پھر جب یہ صاحب چلے گئے تو احقر کو مخاطب کرکے یہی فرمایا کہ میں کیا کروں، میرا تو دل لرز جاتا ہے کہ کوئی قول حضور کی جانب ایسا منسوب ہو جو آپ کا ارشاد نہ ہو۔

اقطاب و ابدال والی بات تو خیر ایسی اہمیت کی نہیں مگر "ظہور مہدی" کے بارے میں تو ہمارے عام محدثین حتیٰ کہ حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے تک کئی حدیثیں اپنے رسالہ آثار قیامت وغیرہ میں تحریر فرمائی ہیں، مگر حضرت علامہ نے اپنے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مسلک احتیاط کی بنا پر یہاں بھی بہ تمام ادب ان اکابر سے الگ ہو رہنا ہی گوارا فرمایا۔
میرے سامنے کی بات ہے کہ ایک مرتبہ ایک صاحب نے "ظہور مہدی" سے متعلقہ حدیثی روایات کے بارے میں علامہ سے دریافت کیا تو علامہ نے صاف فرما دیا کہ ان روایات میں ایک روایت بھی مجھے ایسی نہیں ملی جس میں کوئی نہ کوئی راوی شیعی نہ آ گیا ہو اس لیے یہ راویات ساقط الاعتبار ہیں۔

جہاں تک درس و تعلیم حدیث کا تعلق ہے میں نے یہ بات بصراحت حضرت علامہ سے پوچھی تھی کہ کتب احادیث تو سب وہی ہیں پھر فلاں اور فلاں مدرسہ کی تعلیم حدیث میں فرق کیا ہے؟ فرمایا کہ فلاں مدرسہ میں تو حدیث کو حدیث کی حیثیت سے پڑھایا جاتا ہے اور فلاں مدرسہ میں حدیث کو حنفی کر کے پڑھایا جاتا ہے۔ اس ارشاد سے معلوم ہوا کہ حضرت علامہ یہ چاہتے تھے کہ حدیث پڑھاتے وقت کسی بھی فقہی مذہب کے تحفظِ ذہنی کے بغیر اقوالِ نبوی کے منشاء کو پانے کی کوشش کرنی چاہیئے، درس حدیث میں اس بات کی طرف التفات نہ رہنا چاہیئے کہ کس حدیث سے کس فقہی مذہب کی تائید ہو رہی ہے اور کونسی روایت کس کے خلاف جا رہی ہے ــــ یہ کام تو فقہ کے درس میں کرنے کا ہے۔

رہی بات ادب و تعظیم حدیث کی، اس کا اندازہ ایک چھوٹے سے واقعہ سے لگائیے۔ ایک مرتبہ حضرت علامہ کی مجلس میں ایک صاحب نے بالکل موضوع حدیث نقل کر دی، میں بے صبری سے کہہ پڑا کہ یہ "حدیث غلط" ہے حالانکہ وہ حضرت علامہ سے مخاطب تھے اور پھر حضرت علامہ ہی نے انھیں سلیقہ سے غلطی پر متنبہ فرمایا۔ جب وہ صاحب چلے گئے تو علامہ ہی نے اس ادب ناشناس کو مخاطب کر کے نہایت نرمی سے فرمایا کہ "روایت غلط سہی انتسابی نسبت کا احترام تو ضروری ہے، ایسے موقع پر توقف کر کے یوں کہنا چاہیئے کہ حضورؐ کا یہ ارشاد نہیں یا حضور کا ارشاد

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایسا نہیں ہے ـــــ اللہ اکبر، کیا پاسِ ادب ہے !!

فقہی مسلک

حضرت علامہ کے فقہی مسلک کے بارے میں اہلِ علم مختلف نظر آتے ہیں، بعض ان کو غیر مقلد سمجھتے ہیں اور بعض مقلد۔ جو غیر مقلد سمجھتے ہیں وہ اس لیے ہے کہ علامہ کی تحریروں میں جامد تقلیدی رنگ نظر نہیں آتا اور جو ان کو مقلد خیال کرتے ہیں وہ اس وجہ سے ہے کہ انھوں نے علامہ کو ہمیشہ حنفی طرز پر نماز پڑھتے دیکھا یا تقلید کے خلاف ان کے قلم یا زبان سے کوئی بات نہیں سنی، مجھ بے استحقاق کو بحمد اللہ حضرت علامہ کے قرب و صحبت کی سعادت حاصل رہی ہے اور ان کی تصانیف کو بغور دیکھا ہے اس لیے صحیح صورتِ حال سے یقینی آگاہی ہے اور وہ یہ ہے کہ علامہ مقلد ہی تھے مگر ان کا تقلیدی رنگ وہ تھا جو دورِ تابعین کے بعد سے اسلام کی چوتھی صدی کے ختم تک رہا کہ بقول حضرت شاہ ولی اللہ عوام تک کسی خاص شخص کی فقہ کے پابند نہ تھے اور خواص کا طرزِ تقلید یہ تھا کہ:

> "اُن کو کسی مسئلہ میں کسی اور چیز کی حاجت نہیں رہتی تھی اور ان کے پاس بہت سی احادیثِ مستفیضہ تھیں جن پر بعض فقہاء عمل کر چکے تھے ..... اگر تعارضِ نقل اور وجہِ ترجیح ظاہر نہ ہونے کی وجہ سے کسی مسئلہ میں ان کا دل مطمئن نہ ہوتا تھا تو گذشتہ فقہاء میں سے کسی کے کلام کی طرف رجوع کر لیا کرتے تھے اور اگر اس مسئلہ میں فقہاء کے دو قول ان کو ملتے تو ان میں سے جو زیادہ قابلِ اعتماد ہوتا اس کو وہ اختیار کرتے تھے خواہ وہ قول اہلِ مدینہ کا ہو یا اہلِ کوفہ کا۔" (حجۃ اللہ البالغہ ـــ جلد اول ـــ باب حکایۃ حال الناس قبل المائۃ الرابعۃ وبعدھا)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

چنانچہ حضرت علامہؒ نے "تراجم علمائے اہلِ حدیث" مولفہ ابو یحییٰ امام خاں نوشہری پر جو مقدمہ تحریر فرمایا ہے اس میں اپنی بابت رقم طراز ہیں:

"میں سنت کا پیرو اور توحیدِ خالص کا معتقد ہوں، سنت کو دلیلِ راہ مانتا ہوں اور علماء کے لیے اجتہاد کا دروازہ ہمیشہ کے لیے کھلا جانتا ہوں اور حق کو ائمۂ سلف میں سے کسی ایک میں منحصر نہیں جانتا۔ اس پر آپ مجھے جو چاہیں سمجھیں۔"

یہ تحریر ۱۳ صفر ۱۳۵۷ھ کی ہے اور علامہ کا سنِ وفات ۱۴ ربیع الاول ۱۳۷۳ھ تھا، گویا وفات سے تقریباً پندرہ برس قبل کا یہ اظہار ہے۔ مگر اس سے واضح تر تحریر جو اپنے مسلکِ فقہی کی صراحت ہی کے لیے علامہ نے لکھی تھی وہ ۱۲ شعبان ۱۳۴۸ھ کے اس مکتوب میں ملتی ہے جو انھوں نے حکیم الامۃ حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے نام تحریر فرمایا تھا، وہ یہ ہے:

"فقہ میں متاخرین کا متبع نہیں مگر اہلِ حدیث بالمعنی المتعارف نہیں ہوں۔ ائمہ رحمہم اللہ کا دل سے ادب کرتا ہوں اور کسی رائے میں کلیۃً ان سے عدول، حق نہیں سمجھتا۔"

(تذکرہ سلیمان صفحہ ۸۹)

اس توضیح کے بعد علامہ کے فقہی مسلک میں کوئی ابہام باقی نہیں رہا۔ رہی یہ بات کہ یہ مسلک اور اہلِ نظر کی نگاہ میں، علامہ جیسے صاحبِ خبر و نظر کے لیے کیسا ہے؟ تو اس کے لیے حضرت مولانا تھانویؒ کی تصدیق ملاحظہ ہو، حضرت ممدوح کی جوابی تحریر ہے:

"جناب نے جو بے تکلف اپنا مسلک تحریر فرما دیا اس سے میری عقیدت میں زیادہ سے زیادہ اضافہ ہو گیا، دو وجہ سے،

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک صدق و خلوص پر، دال ہونے سے، دوسرے خود مسلک کے پاکیزہ ہونے سے، تمام اہل حق کا یہی مسلک ہے، کسی جزئی تفاوت سے حقیقت نہیں بدلتی صرف رنگ بدلتا ہے چنانچہ اس احقر پر .... دوسرا رنگ ہے کہ میں بوجہ اپنی قلتِ روایت و درایت کے متاخرین کا بھی متبع ہوں۔"

(ایضاً)

غرض گو اکثر امور میں حضرت علامہ حنفی مذہب ہی کے پیرو تھے۔ رفع یدین نہیں کرتے تھے، تراویح میں بیس رکعت کا التزام تھا مگر ساتھ ہی قرأت فاتحہ خلف الامام اور ناگزیر صورت میں جمع بین الصلاتین پر بھی ان کا عمل تھا۔ اسی طرح فتویٰ لکھنے میں بھی شد و مد سے ایک مسلک کے پابند نہ تھے۔ اس سلسلے کا ایک چشم دید دلچسپ واقعہ سنیے اور اس سے حکمت سلیمانی کا اندازہ لگا لیجئے۔ ایک انگریز میاں بیوی مشرف بہ اسلام ہوئے، چند ہی دنوں میں آپس کی ناچاقی میں شوہر نے بیوی سے ایسے کلمات کہہ ڈالے کہ مذہب حنفی کی رو سے طلاقِ مغلظہ واقع ہوگئی۔ یہ ماجرا ان کے ایک مسلمان دوستِ عزیز نے سنا تو انھوں نے شوہر سے کہا کہ تمھارا تو نکاح ہی فسق ہوگیا۔ اب نومسلم میاں بیوی بھی پریشان اور ان کے دوست بھی حیران۔ احتیاطاً ان دوست نے بعض معتبر مفتیوں سے رجوع کیا مگر جواب ہر جگہ سے طلاق قطعی ہی کا ملا، پھر وہ حضرت علامہ کی خدمت میں آئے، سارا ماجرا سنایا، علامہ نے فرمایا کہ بھئی مفتی صاحب (یعنی حضرت مولانا مفتی محمد شفیع ؒ) سے پوچھئے، انھوں نے عرض کیا کہ وہاں سے تو یہی جواب ملا۔ علامہ نے مسکراتے ہوئے فرمایا تو آپ کا جی کیا چاہتا ہے کہ جواب برعکس ملے؟ اس پر وہ چپ ہو رہے، تب علامہ نے ان سے فرمایا کہ آپ ایک استفتاء لکھ کر کل مفتی صاحب کے سالانہ جلسہ میں لائیے، مجھے جو کچھ لکھنا ہے میں وہیں لکھ دوں گا۔ چنانچہ دوسرے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

روز جلسہ جب ختم ہوا اور مخصوص علماء ـــــ جن میں حضرت مفتی محمد حسن امرتسری، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ اور خود حضرت میزبان ممتاز ترین تھے ـ چائے نوشی کے لیے ایک کمرہ میں بیٹھ گئے تو علامہ نے ایک صاحب سے استفتاء لے کر ایک ایک کو دکھلایا، متفقہ جواب یہ تھا کہ "طلاق واقع ہوگئی" پھر حضرت علامہ نے اپنے قلم سے اس پر یہ فتویٰ تحریر فرمایا کہ "اہل سنت والجماعۃ میں مسلک اہل حدیث کی رو سے طلاق واقع نہیں ہوئی رجوع کرا دیا جائے ـــــ (لفظی تعبیر ممکن ہے، غالب یادداشت یہی ہے) پھر علمائے کرام کو یہ جواب دکھاتے ہوئے فرمایا کہ وہ نومسلم بیچارے تو ابھی نہ حنفی ہیں اور نہ شافعی لہٰذا قانون میں کوئی گنجائش بھی نکلتی ہو تو اس کا فائدہ انھیں ملنا چاہیئے ـــــ اس پر حضرت مفتی محمد حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے برملا فرمایا کہ یہ جواب حضرت ہی لکھ سکتے تھے ہم چونکہ فقہ حنفی کے مفتی ہیں اس لیے نہیں لکھ سکتے ـ پھر مفتیٔ اعظم پاکستانؒ نے بھی اس قول کی تائید فرمائی ـ

ایک اور بات ـ اکثر فقہاء نے مدات زکوٰۃ والی آیت اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ الخ میں فِی سَبِیْلِ اللّٰہِ سے مراد جہاد بالسیف لیا ہے اور للفقراء کے لام کو لام تملیک قرار دیا ہے، حضرت علامہ کے نزدیک یہ تحدیدات درست نہیں ـ فی سبیل اللہ میں ہر دینی کام شامل ہوسکتا ہے اور للفقراء کے لام کو لام انتفاع لینا چاہیئے، سیرۃ النبی جلد پنجم میں اس مقام پر یہ بصیرت افروز حاشیہ سپرد قلم فرمایا ہے:

"اکثر فقہاء نے فی سبیل اللہ سے مراد صرف جہاد لیا ہے مگر یہ تحدید صحیح نہیں معلوم ہوتی، ابھی آیت گذر چکی ہے لِلْفُقَرَاءِ الَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اس سے بالاتفاق صرف جہاد نہیں بلکہ ہر نیکی اور دینی کام مراد ہے ـ اکثر فقہاء نے یہ بھی کہا ہے کہ زکوٰۃ میں تملیک یعنی کسی شخص کی ذاتی ملک بنانا ضروری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے مگر ان کا استدلال جو للفقراء کے لام تملیک پر مبنی ہے بہت
کچھ مشتبہ ہے، ہو سکتا ہے کہ لام انتفاع ہو جیسے خَلَقَ لَکُمْ
مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا۔"

علامہ کی یہ توضیح زندگی دورِ غلامی میں چاہے ہمارے علماء کے لیے ناقابل اعتنا رہ آج پاکستان میں ترویجِ زکوٰۃ کے مرحلہ پر اس کی اہمیت اور افادیت پر اگر تو گئی تو محض ایک روایتی تعبیر پر اصرار کی وجہ سے صرف زکوٰۃ کا دائرہ اپنے آپ محدود ہو کر رہ جائے گا اور دوسری طرف اہل مدارس کی چلائی ہوئی "حیلہ کی قباحت کو قانونی تحفظ حاصل ہو جائے گا۔ فاعتبروا یا اولی الابصار

صوفیانہ مسلک

حضرت علامہ کا گھرانہ خانوادۂ نقشبندیہ سے منسلک تھا اور خود علامہ کی روحانی تربیت ان کے برادر بزرگ سید ابوحبیب رحمۃ اللہ کے زیر اثر ہوئی قطبِ وقت شاہ ابواحمد بھوپالی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ اور ذوق اتباع سنت مثال تھے۔ لازماً اتباعِ سنت کا یہی نکھرا ہوا ذوق علامہ کے قلب و دماغ قبول کیا۔ دوسری طرف علامہ شبلی نعمانی رحؒ نے اپنے اس جواں عمر شاگردِ عزیز ساتھ بھی یہی معاملہ فرمایا کہ بقول حضرت سلیمان رحؒ:

"اپنی زندگی میں اور اپنی زندگی کے بعد بھی بہ شکلِ وصیت سرورِ کائنات فخرِ موجودات، رحمتِ عالم، سیدِ اولادِ آدم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سرکار اقدس میں، جہاں وہ سب سے آخر پہنچے تھے، سب سے اول پہنچایا۔"

(حیات شبلی)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اپنے پہلے عریضہ میں مرشد تھانویؒ سے ان الفاظ میں کیا ہے :

"امام ربانی مجدد الف ثانی اور شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے سلسلہ سے عقیدتِ تامہ رکھتا ہوں، خرافات وطاماتِ صوفیہ کا دل سے منکر ہوں۔ صالح نہیں لیکن صلاحِ حال کا دل سے دل سے خواستگار ہوں۔ (تذکرۂ سلیمان۔ صفحہ ۸۹)

حضرت اقدس تھانوی نے اپنے درمیانی جملہ کی بابت اپنے رنگ کا اظہار یوں فرمایا کہ :

"صوفیہ کے احوال و اقوال کو محتملِ تاویل سمجھتا ہوں الا من تحقق بطلانھم بالقطع" (ایضاً)

بہرحال اس نقشبندی جوہر کا چشتی اشرفی بھٹی کی آگ میں پھنک کر جو کشتہ تیار ہوا تو اس میں ایک انفرادیت اور صوفیانہ مسلک کا وہ نکھار پیدا ہوا کہ وہ ٹھیک سلف اولین والی جلا سے مجلّیٰ ہو گئے۔ حضرت علامہ کے مسلکِ احسانی کے اجزائے ترکیبی یہ ہیں :

(ا) وحدت الوجود ہو کہ وحدت الشہود، ان میں سے کوئی چیز مدارِ طریق نہیں، بعض حال کا درجہ رکھتے ہیں (جیسے وحدت الوجود وشہود) اور بعض محض افلاطونی فلسفہ کی متبدل شکلیں ہیں (جیسے تنزلات ستہ) لہٰذا ان کی طرف توجہ نہ ہونی چاہیئے۔

(ب) صرف توحید تنزیہی مطلوب ہے۔ تشبیہ کا انکار نہ ہو مگر تشبیہ میں بھی تنزیہہ کا اقرار ہے (کہ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ)

(ج) توحید افعالی پر تمام تر توجہ مرکوز رہنی چاہیئے، قرآن پاک نے سارا زور توحید افعالی پر دیا ہے۔ یہی توحید ذاتی تک رسائی کا محفوظ زینہ ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(د) کثرتِ وظائف و اوراد کے بجائے ہر عمل میں اتباعِ سنت اور ہر عمل سے متعلق ادعیۂ ماثورہ پر توجہ مرکوز رہے، اسی سے وصول الی اللہ حاصل ہوتا ہے۔

(ہ) مصطلحاتِ صوفیانہ سے گریز اور قرآنی و حدیثی اصطلاحات پر اکتفا رہے۔ (جیسے خشوع، خضوع، تقویٰ، خشیت، ذکر، فکر، احسان وغیرہ)

(و) ساری توجہ لطیفۂ قلب پر مرکوز رہے کہ یہی قرآن و حدیث میں مذکور ہے اور ذکر فکر مع الحضور کی کثرت سے رسوخ اور دوامِ حضور حاصل کیا جائے۔

(ز) محاسبۂ نفس کی ہمہ وقتی مشق اور اہتمام تادم آخر قائم رہے۔

اب آخری بات جو تصحیح فہم کے نقطۂ نظر سے اولین اہمیت کی چیز ہے کہ حاصلِ تصوف کیا ہے؟ اس کو خود حضرت علامہ کی زبانِ عارفانہ میں سنئے، اپنے شاگرد عزیز مولانا مسعود عالم ندوی مرحوم کو ایک والا نامہ میں تحریر فرما رہے ہیں:

(ح) "ہر عمل میں طلبِ رضا کا شعور پیدا ہونا یہی اس طریق کا حاصل ہے اور جب خدا اور بندے کے درمیان یہ علاقہ استوار ہوجاتا ہے تو صوفیہ کی اصطلاح میں اس کو "نسبت" کہتے ہیں اور قرآن پاک کی زبان میں اس کی تعبیر یُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُ اور رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ کے لفظوں میں کی گئی ہے یَا اَیَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِیْ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً۔ انہی کے لیے نویدِ بشارت ہے۔"

(مکاتیب سلیمانی مرتبہ مولانا مسعود عالم ندوی)

© rasailojaraid.com